بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة النساء

(۱۰)

(گزشتہ سے پیوستہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ، وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۲۹﴾

ایمان والو، ایک دوسرے کے مال آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت کی جائے، اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ اور

[۷۲] اس سے مراد وہ طریقے ہیں جو عدل و انصاف، معروف، دیانت اور سچائی کے خلاف ہوں اور جن میں لین دین اور معاملات کی بنیاد فریقین کی حقیقی رضامندی پر نہ ہو، بلکہ ایک کا مفاد ہر حال میں محفوظ رہے اور دوسرے کی بے بسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ضرر یا غرر کا ہدف بنایا جائے۔ اسلام میں معاشی معاملات سے متعلق تمام حرمات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ رشوت، چوری، غصب، سود، جوا، غلط بیانی، تعاون علی الاثم، غبن، خیانت اور لقطہ کی مناسب تشہیر سے گریز کے ذریعے سے دوسروں کا مال لے لینا، یہ سب اسی کے تحت داخل ہیں۔ روایتوں میں بیع و شرا اور مزارعت وغیرہ کی جن صورتوں سے منع کیا گیا ہے، وہ بھی اسی کے تحت ہیں۔

[۷۳] اصل الفاظ ہیں: 'وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ'۔ ان میں 'انفسکم' کا لفظ بالکل اسی طرح آیا ہے، جس طرح اوپر 'اموالکم' کا لفظ ہے، اس لیے جن لوگوں نے اس سے خودکشی کے معنی لیے ہیں، ان کی رائے عربیت کے خلاف

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا، فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا، وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى
اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ، نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ،

(یاد رکھو کہ) جو لوگ ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کریں گے، اُن کو ہم ضرور ایک سخت بھڑکتی ہوئی آگ میں
جھونک دیں گے، اور یہ اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ (اِن گناہوں سے بچو، اِس لیے کہ)

ہے۔ اِس کے لیے اسلوب دوسرا ہونا چاہیے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ایک دوسرے کا مال کھانے اور
ناحق کسی کی جان لینے کی حرمت کو اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں ایک ساتھ جمع کر دیا ہے۔ اِس کی وجہ کیا ہے؟ استاذ امام
امین احسن اصلاحی نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”... اِن کو ایک ساتھ جمع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اِن دونوں میں بڑا گہرا رشتہ ہے۔ مال کی حرص اِس کے حصول
کے جائز و ناجائز طریقوں کی تمیز اٹھا دیتی ہے اور پھر یہ بیماری لوگوں کو اِس طرح اندھا کر دیتی ہے کہ اِس کے لیے
قتل و خون تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ سماجی فسادات اور خوں ریزیوں کے اسباب کا سراغ لگایا جائے تو معلوم ہوگا
کہ حرص مال کو اِن میں سب سے زیادہ دخل ہے۔ اصلاح نے اِن دونوں چیزوں کے اِس گہرے باہمی رشتے کی وجہ
سے ایک دوسرے کے مال اور ایک دوسرے کی جان، دونوں چیزوں کی حرمت کی یکساں تاکید فرمائی ہے۔“

(تدبر قرآن ۲/۲۸۵)

[۷۴] مطلب یہ ہے کہ جب اللہ مہربان ہے تو وہ کس طرح پسند کر سکتا ہے کہ اِس کے بندے ایک دوسرے کا
مال ناحق طریقوں سے کھائیں اور ایک دوسرے کو قتل کریں۔ وہ تو یہی چاہے گا کہ لوگ آپس میں رحماء بینہم بن
کر زندگی بسر کریں۔

[۷۵] اصل میں ’ظلما و عدوانا‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ اگر ایک ساتھ آئیں تو گناہ کی دو الگ الگ صورتوں پر
دلالت کرتے ہیں۔ ظلم کا لفظ اِس صورت پر دلالت کرتا ہے، جب دھاندلی سے کسی کا حق واجب ادا نہ کیا جائے اور
عدوان کا اِس صورت پر جب زور و زبردستی سے کسی کے جان و مال پر دست درازی کی جائے۔ اِس کے برخلاف
الگ الگ آئیں تو کم و بیش ایک ہی مفہوم کے حامل ہو جاتے ہیں۔

[۷۶] اصل میں لفظ ’ناراً‘ آیا ہے۔ اِس کی تکمیل یہاں ’ناراً‘ کے لیے ہے۔ ہم نے ترجمہ اسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

[۷۷] یہ الفاظ ایک مخفی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ استاذ امام نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ

تمہیں جن چیزوں سے منع کیا جا رہا ہے، اُن کے بڑے بڑے گناہوں سے اگر تم بچتے رہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ختم کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ ۲۹-۳۱

لکھتے ہیں:

”... جو لوگ خدا کو مانتے ہیں، لیکن خدا کی صفات عدل و رحم کا صحیح تصور نہیں رکھتے، وہ اپنے آپ کو الٰہ و انس دینے میں بڑے فیاض ہوتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے جرائم کرتے چلے جاتے ہیں، لیکن یہود کی طرح توقع یہی رکھتے ہیں کہ خدا ان پر بڑا مہربان ہے، اس لیے سب بخش دے گا۔ قرآن نے یہود کا قول سُبُّغُفْرُلْنَا، جو نقل کیا ہے، وہ اسی ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ درحقیقت اس قماش کے لوگ شہ تو حاصل کرتے ہیں اس ڈھیل اور مہلت سے جو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق عطا فرماتا ہے، لیکن ان کی حیلہ جو طبیعت آڑ ڈھونڈتی ہے خدا کی رحمت کی۔ حالانکہ خدا رحیم ہے تو آخر وہ ظالموں پر کیوں رحم فرمائے گا۔ اس کی رحمت کے اصلی مستحق تو وہ مظلوم ہیں جو ان کے ہاتھوں زندگی بھر ستائے گئے اور آہ بھی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی ذہنیت رکھنے والوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ جو لوگ ظلم وعدوان کی زندگی بسر کر رہے ہیں، ان کو جہنم میں جھونک دینا خداے رحیم پر ذرا بھی شاق نہیں گزرے گا، اس لیے کہ وہ جس طرح رحیم ہے، اسی طرح عادل بھی ہے اور یہ عدل بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے۔“ (تذبرقرآن ۲۸۷/۲)

[۷۸] بڑے گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جو قرآن کے ان احکام عشرہ کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتے ہیں جو سورہ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیات ۲۲-۳۹ میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ ان سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کا صلہ اس نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کے بعد آدمی کے چھوٹے گناہوں کو وہ اپنی بے پایاں رحمت سے معاف کر دیتا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک اور حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہاں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ صغائر سے بچنے کی راہ بھی یہی ہے کہ آدمی کبائر سے اجتناب کرے۔ جو آدمی اپنے ہزاروں کے قرضے چکا تار ہتا ہے، وہ اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتا کہ کسی کے پانچ روپے دبا کر نادہند کہلانے کی ذلت گوارا کرے۔ برعکس اس کے جو لوگ کبائر کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، ان کا حال زندگی بھر یہ رہتا ہے کہ چھمکو چھانتے رہتے ہیں اور اونٹ کونگلتے رہتے ہیں۔ دوسروں کو تو یہ زیرے اور سونف تک کی زکوٰۃ کا حساب سمجھاتے ہیں، لیکن خود یتیموں کے مال اور اوقاف کی آمدنیوں سے اپنی کوٹھیاں بنواتے اور ان کو سجاتے ہیں۔“ (تذبرقرآن ۲۸۸/۲)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ، لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
اُكْتَسَبُوا، وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اُكْتَسَبْنَ، وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ، إِنَّ اللَّهَ
كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے، اُس کی تمنا نہ کرو، (اس لیے کہ) مردوں نے جو کچھ کمایا ہے، (خدا کے حضور میں تو) اُس کا حصہ اُنھیں مل جائے گا اور عورتوں نے جو کچھ کمایا ہے، اُس کا حصہ اُنھیں مل جائے گا۔ (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تمنا ہو تو اس میدان میں آگے بڑھو) اور (اس کے لیے) اللہ سے اُس کے فضل کا حصہ مانگو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (یہی

[۷۹] یہ اس لیے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے جدوجہد اور مسابقت کا اصلی میدان اس کی خلقی صفات نہیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خلقی صفات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فی الواقع ترجیح حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ذہنی، کسی کو جسمانی، کسی کو معاشی اور کسی کو معاشرتی برتری کے ساتھ پیدا کیا اور دوسروں کو اس کے مقابلے میں کم تر رکھا ہے۔ مرد و عورت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اس میں زوجین کا تعلق ایک کو فاعل اور دوسرے کو منفعل بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فعلیت جس طرح غلبہ، شدت اور تحکم چاہتی ہے، انفعالییت اسی طرح نرمی، نزاکت اور اثر پذیریری کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ ان میں اگر مسابقت اور تنافس کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو یہ فطرت کے خلاف جنگ ہوگی جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ بالآخر دونوں اپنی بربادی کا ماتم کرنے کے لیے باقی رہ جائیں۔

[۸۰] یہ ایک دوسرے میدان کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ اکتسابی صفات، یعنی نیکی، تقویٰ، عبادت، ریاضت اور علم و اخلاق کا میدان ہے۔ قرآن نے اس کے لیے جگہ جگہ ایمان اور عمل صالح کی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ مسابقت اور تنافس کا میدان درحقیقت یہی ہے۔ اس میں بڑھنے کے لیے کسی پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ مسابقت اس میدان میں اتنی ہی محمود ہے، جتنی خلقی صفات کے میدان میں مذموم ہے۔ مرد بڑھے تو اسے بھی اپنی جدوجہد کا پھل ملے گا اور عورت بڑھے تو وہ بھی اپنی تگ و دو کا ثمرہ پائے گی۔ بانو، باندی، آزاد، غلام، شریف، وضع، خوب صورت، بد صورت اور بیباک و ناپسند، سب کے لیے یہ میدان یکساں کھلا ہوا ہے۔ دوسروں پر فضیلت کی خواہش ہو تو انسان کو اس

وَالْأَقْرَبُونَ، وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَاتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

ترجیحات وراثت کی تقسیم میں بھی ملحوظ ہیں) اور والدین اور قرابت مندوں کے چھوڑے ہوئے مال میں سے (انھی کے مطابق) ہم نے ہر ایک کے لیے وارث ٹھہرا دیے ہیں۔ (ان میں تبدیلی کی کوشش نہ کرو،) رہے وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کا حصہ انھیں دو۔ (اس میں، البتہ کسی حق دار کو نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں ہونا چاہیے،) اس لیے کہ اللہ ہر چیز پر نگران ہیں۔ ۳۲-۳۳

میدان میں خدا کا فضل تلاش کرنے کے لیے نکلنا چاہیے۔ اپنی محنت غلط میدان میں برباد کرنے سے لاجاصل تصادم اور بے فائدہ تنازعات کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ حوصلہ آزمانے اور ارمان نکالنے کا صحیح میدان یہ ہے۔ جس کو اترنا ہو، وہ اس میدان میں اترے۔

[۸] یہ تقسیم وراثت کے اس ضابطے کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے اسی سورہ میں بیان ہوا ہے۔ موقع کلام کی رعایت سے اس کا ذکر یہاں حصوں میں خدا کی قائم کی ہوئی ترجیحات کو بدلنے کی کوشش پر تنبیہ کے لیے ہوا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... اس حوالے سے مقصود اس کو مزید موکد کرنا ہے کہ ہر مورث کے جو وارث خدا نے ٹھہرا دیے ہیں، وہی اصلی وارث ہیں۔ اب ان میں اپنے ذاتی رجحانات کی بنا پر نہ کسی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش ہے اور نہ ان کے مقررہ حصوں میں کسی کمی بیشی کی۔ اگر کسی نے کسی غیر وارث سے کچھ دینے دلانے کا وعدہ کر رکھا ہے تو اس کو وہ حصہ دے جو اس کا ہے۔ اس کا حصہ سے مراد، ظاہر ہے کہ وہی حصہ ہو سکتا ہے جس کی مورث کو وصیت کی اجازت ملی ہوئی ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تقسیم سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ یہ حصہ درحقیقت ایسے ہی لوگوں کے لیے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوڑا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے نصیبہم کا لفظ استعمال ہوا۔ آخر میں اپنی صفت علیٰ کل شیء شہیدا، کا حوالہ بطور تنبیہ دیا ہے کہ بے جا جانب داری کی مخفی سے مخفی کوشش بھی اللہ کے علم سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر جلی و خفی سے آگاہ ہے۔“ (تدبر قرآن ۲/۲۸۹)

[باقی]